قسط ۴ — مولانا عبدالقیوم حقانی

ریشم کا کاروبار کرنے والے ارباب علم و فضل کا تذکرہ

(علامہ سمعانی سے ایک ملاقات)

گرمیوں کا موسم ہے آدھی رات گذر چکی ہے۔ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ ہے۔ آسمان پہ ستاروں کی مجلسِ شبینہ آراستہ ہے۔ صبح صادق کے برآمد ہونے میں ابھی کافی دیر ہے۔ کائنات پر سکوت اور ستاروں کی روشنی سے مخلوط تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ علامہ جامی کی مجلس پر سعادت "نفحات الانس" سے جی بہلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک تخیل کے وسیع گوشوں، اطمینان خاطر کی طلب گاریوں، تصورات کے انتشار، کچھ بے چینی اور اضطراب کی تاریکیوں میں ایک درخشاں چہرہ، ایک نورانی اور شیریں تبسم اور پُراسرار انداز کی نگاہِ دلآویز نے تاریکیاں دور اور اضطرابات کافور کر دئے۔

اور حقیقت بھی یہ ہے کہ آسمان کے سورج کی طرح محبت کا بھی ایک سورج ہوتا ہے جس کو روح اور دل کی ساری تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں۔ خلوت و تنہائی، دل کے اضطراب اور رات کی وحشت و تاریکی میں یہ دلنواز اور شیریں آواز ایسی آواز جو سراسر شفقت اور ہمدردی میں ڈوبی ہوئی آواز تھی۔ ایسی آواز جس میں ہمت افزائیاں اور سرفرازیاں ہوئیں۔ جس نے مایوسیوں میں ڈھارس بندھوائی۔ یہ آواز "الانساب" کے مصنف علامہ ابوسعید عبدالکریم بن محمد السمعانی (المتوفی ۵۶۲ھ) کی آواز تھی۔ جو قصرِ معرفت کے روزن اور گلشنِ علم کے دریچے "الانساب" سے بول رہے تھے۔

ان کی نگاہیں ایسی دلآویز، گفتگو ایسی شیریں اور اندازِ تخاطب ایسا مشفقانہ تھا کہ دنیا کی ساری راحتیں اور سکون گویا انہی کی نظرِ عنایت میں سما کر رہ گیا تھا۔ اور حقیقت واقعہ بھی یہی ہے کہ جب علم و قلم اور نگاہِ دلنواز کی زبان کھل جاتی ہے تو منہ کی زبان کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

آج ان کی محفل اور مجلس علم و فضل (بصورتِ مطالعہ کتاب الانساب) میں حقیقت اپنی پوری شان تاثیر کے ساتھ بے نقاب ہو کر سامنے آگئی تھی۔ اس سے قبل بھی علامہ عبدالکریم سمعانی سے تین ملاقاتیں ہو چکی ہیں۔ ان کی روئیداد بھی قارئینِ "الحق" تک پہنچا دی جا چکی ہے۔ اور ہمیں اس حقیقت کے اظہار میں کوئی عار نہیں کہ بغیر کسی غرض اور انتفاع کے علامہ سمعانی کا ہم طلبہ کے ساتھ شفقت، عنایت اور حسنِ سلوک، دل پر تیرِ محبت

کا زخم بن کر رہ گیا ہے۔ جو روح کے لئے ناسور اور دل کے لئے ایک دہکتا ہوا انگارہ ثابت ہو رہا ہے۔ جس قدر بھی ان کی مجلس فیض و افادہ میں حاضری ہوتی رہی ہے۔ روح کا زخم گہرا ہوتا جا رہا ہے۔ اور دل کی تپش بڑھتی جا رہی ہے۔

احقر اس سے قبل بھی علامہ سمعانیؒ کی نیک شہرت، علم پروری، اصاغر نوازی، عظیم علمی و تصنیفی کارناموں اور کسی حد تک مجلسی افادات سے بے خبر نہ تھا لیکن صورت آشنا نہ تھا کہ مجلس میں حاضری کا موقع ہی نہ ملا تھا۔

اب کے بار بلکہ چوتھی بار جب ان کی مجلس رشد و ہدایت (الانساب) میں حاضری کا موقع مل رہا ہے اگرچہ دل جو سوسائٹی کی بے مہری، اپنوں کی سنگدلی زندگی کے تلخ تجربوں اور درماندگیوں سے پتھر کی طرح سخت ہو گیا ہے۔ مگر "الانساب" کے مصنف و میر مجلس علامہ سمعانیؒ کی محبت کی دلنوازیوں سے پگھلنے لگتا ہے گویا روح کو ان کی نگاہ محبت نے خرید لیا ہے

صد ملک دل بہ نیم نگاہ مے تواں خرید
خوباں دریں معاملہ تقصیرے کنند

علامہ سمعانیؒ اپنی مجلس عشق و مستی کو گویا ایک چہچہاتی ہوئی بلبل ہیں۔ جو اپنی شیریں راگوں سے غم زدہ دلوں میں طرب پیدا کر دیتی ہیں۔

اب کے بار جب ان کی مجلس میں حاضری ہوئی تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ کہ موصوف نے اپنی محفل کو ایسے لوگوں سے سجا رکھا تھا۔ جو کاروبار اور پیشہ کے لحاظ سے نسلاً بعد نسل دست کار، صنعت کار، ریشم ساز، اور ریشم فروش چلے آرہے تھے۔ مگر دنیا ان کے اشاعت علم و خدمت دین، زہد و تقویٰ اور علم و فضل کا لوہا مانتی چلی آرہی تھی۔ دست کاری، صنعت گری، ریشم سازی اور ریشم فروشی ان کا ذریعہ معاش تھا۔ سینکڑوں افراد اس کاروبار میں مشغول رہتے تھے۔ مگر ان کے خاندان میں پیشہ اور کاروبار کی طرح تحصیل و اشاعت علم کا مشغلہ بھی نسلاً بعد نسل چلا آرہا تھا۔ صنعت و حرفت کی وراثت کی طرح علم و فضل کی وراثت پر بھی انہیں فخر و ناز ہوا کرتا تھا

تمام عمر تیرے درد محبت نے مجھے
کسی سے دل نہ لگانے دیا گلستاں میں

ان کے علوم و معارف اور دینی و علمی کمالات، کا آئینہ ان کے سیرت و کردار کے نادر نمونے ہیں۔ جو معاشرہ اور سوسائٹی میں ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں جن کی ایک جھلک علامہ سمعانیؒ نے "الانساب" کے صد ۲۳۴ پر

ثبت فرمائی ہے۔

موصوف لکھتے ہیں کہ مروشہر میں ایک علمی خاندان "دیوکُش" کے لقب سے معروف اور زیادہ مشہور تھا۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں ریشم سازی اور ریشم فروشی کا کاروبار ہوتا تھا۔ بلکہ ان کا خاندان پورے علاقے میں اس کاروبار کا مرکز تھا۔ خاندان کے افراد ریشم کے کیڑے ایک خاص ترکیب کے ساتھ پلتے اور پھر ان کو دھوپ میں سکھا کر ان سے ریشم نکالا کرتے تھے چونکہ فارسی میں ان کیڑوں کو "دیو" کہتے ہیں اس لئے اسی مناسبت سے اس پورے خاندان کا نام "دیوکُش" پڑ گیا۔ علامہ سمعانی نے "الانساب" میں اس باب کا عنوان بھی لفظ "دیو کش" سے قائم کیا ہے۔

دیوکُشوں کے اس خاندان کے افراد نے جس طرح ریشم سازی کی صنعت میں ترقی و کمال حاصل کر کے اپنا خاندانی امتیاز باقی رکھا اسی طرح انہوں نے ایمان و یقین، علم و تحقیق، ذاتی تجربات، ذوق صحیح، کتاب و سنت کا صحیح و عمیق علم اور علم و فکر کی بلندیوں تک رسائی حاصل کی۔ تزکیہ نفس، روح کی لطافت و ذکاوت کی صنعت میں ان کی قوت فکریہ کے طائر بلند پرواز نے رضائے الٰہی کے بلند شاخوں پر اپنا نشیمن بنایا۔ اور رحمت الٰہی کی کھلی فضاؤں میں پرواز کی۔

ابو محمد عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن دیوکُش اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں جنہوں نے مختلف علوم و فنون بالخصوص علم فقہ میں اپنی خداداد صلاحیتوں اور توفیق ایزدی کی رفاقت سے گراں قدر علمی تنقیحات، نادر تحقیقات اور پیچیدہ فقہی مشکلات کی عقدہ کشائی کی جو ان کے علم کی پختگی اور گہرائی کا زندہ جاوید ثبوت ہے۔ ان کے استقلال و اخلاص، توکل، اعتماد، زہد و قربانی، درد دل اور سوز دروں نے ان کی سیرت و کردار کو جلا بخشی اور ان ہی کے مخلصانہ مساعی اور پاک بازی کی وجہ سے خاندان دیوکُش کو زندگی اور تاریخی عظمتیں حاصل ہوئیں۔

خدا کی شان کہ جو صنعتیں، کاروبار اور پیشے ہزاروں برس، صحیح یقین اور صحیح معرفت سے محروم اور توحید و رسالت کے پیغام سے ناآشنا تھے ابو محمد عبداللہ جیسے پاکباز، نیک سیرت اور خدا پرست حضرات کی محنت ریاضت اور شبانہ روز مشقت سے وہ خاندان، علماء اور اولیاء کے خاندان اور علوم اسلامیہ اور کمالات دینیہ کے محافظ و امین بن گئے۔

موصوف نے احمد بن نصر بحری کے لڑکوں ابو احمد عبدالرحمٰن اور ابو محمد عبداللہ سے علم حدیث کی تحصیل و تکمیل کی ہر دو حضرات کا اپنے زمانے میں اکابر اساتذہ حدیث میں شمار ہوتا تھا۔ دونوں حضرات کو علم حدیث میں پختگی گہرائی اور علاقہ بصریں میں مرکزیت حاصل تھی۔

تحصیل علم کے بعد موصوف کو اللہ تعالیٰ نے خدمت و اشاعت علم، درس و تدریس کے مواقع عطا فرمائے

انہیں بھی اپنے قابل، فائق اور فاضل اساتذہ کی طرح قبولِ عام اور بقائے دوام حاصل ہوا۔ طالبانِ علوم نبوت کے مرجع بنے۔ اور شہرت و قبولیت عامہ نصیب ہوئی۔ آپ کا حلقۂ درس اور حلقۂ ارادت روز بروز وسیع ہوتا چلا گیا آپ کے تلامذۂ حدیث میں ہمارے "الانساب" کے مصنف علامہ سمعانی کے والد کا نام بھی لنوایا جاتا ہے اور انہیں اس نسبت پر ہمیشہ فخر و امتیاز حاصل رہا۔ جیسا کہ علامہ سمعانی کی تحریر سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ ابو طاہر محمد بن محمد بن عبداللہ مستخر۔ اور ابو بکر عتیق بن علی غازی کو بھی علم حدیث میں آپ سے تلمذ کا شرف حاصل رہا۔ ۴۹۰ھ کے حدود میں عازم اقلیم عدم ہوئے۔

محمد بن عبداللہ دیوکُش، آپ ہی کے صاحبزادے ہیں۔ بڑے ذہین، ذکی اور نقطہ رس تھے۔ انہیں بھی اپنے عظیم والد کی طرح دستکاری اور ریشم سازی میں تجربہ و مہارت کے ساتھ ساتھ خدمتِ دین، اشاعت علم اور درس و تدریس کے بھی خوب مواقع ملتے رہے۔ خدا تعالیٰ نے ان کو غضب کی قوتِ استدلال سے نوازا تھا، بیان کی دلآویزی، زبان کی شگفتگی اور دلائل کی قوت سے بحث کے اطراف و جوانب بڑی خوبی کے ساتھ ایک نقطۂ جامعیت پر سمیٹ دیتے تھے۔ جس کی وجہ سے انہیں دینی و علمی حلقوں اور طلبۂ حدیث میں شہرت اور قبولیت عامہ نصیب ہوئی۔

ہمارے "الانساب" کے مصنف علامہ سمعانی کو بھی ان سے زیارت و ملاقات اور استفادے کی سعادت حاصل ہوئی تھی جس کا انہوں نے بڑے فخر و امتیاز اور اہتمام کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

خاندان دیوکُش جو ریشم سازی کا مرکز اور علاقہ بھر کے لئے مرجع بنا ہوا تھا۔ دیوکشوں کے اس خاندان میں اللہ تعالیٰ نے ایسے رجال کار، اور فرد رشید کھڑے کر دئے تھے جنہوں نے دستکاری اور ریشم سازی کے ساتھ ساتھ آدم سازی و آدم گری کی صنعت میں بھی اپنے خاندان کو ناموری اور نیک نامی کے معراج تک پہنچایا بطور مثال ہم نے "الانساب" سے ابو محمد عبداللہ بن محمد دیوکُش اور ان کے ہونہار صاحبزادے محمد بن عبداللہ دیوکش کا اجمالی تذکرہ نقل کر دیا ہے۔

سوجھ بوجھ اور قدرے عقل سے کام لینے والوں کے لئے صرف ان دو حضرات ہی کے اس مختصر تذکرہ میں کتنی نصیحتیں، کتنی عبرتیں اور کتنے انقلاب انگیز اسباق موجود ہیں کہ تحصیل علم اور پھر اشاعت علم کے دوران اگر اپنے ہاتھ کی کمائی سے رزق حلال کے قوتِ لایموت پر زندگی اور مستقبل کی جسمانی ساخت کا سانچہ تیار کیا جاتا رہا۔ تو قدرت انہیں مستقبل کی عملی زندگی میں علمی و روحانی سانچے بھی ویسے میسر کرے گی جس کی طلب گاریوں میں انہوں نے اپنی قیمتی صلاحیتیں کھپا دیں۔

آج نہیں کہ اس دور کا "آج" گذشتہ زمانے کے کل سے بہت زیادہ بدل چکا ہے۔ کہ جب علم دین کی بہشتی

ڈگریوں کی نہ حکومت خریدار تھی اور نہ پبلک میں ان معاشی اجازت ناموں کی کوئی طلب گاری تھی۔ جو بھی اس راہ میں قدم رکھتا سرِراہ وسوسہ ڈالنے والا "خناس" خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَة کا بورڈ آویزاں کر دیتا۔

کیا عجب زمانہ تھا اور کیسا عجب تماشہ تھا کہ صرف دیوکشوں کے خاندان کے ان افراد نے نہیں بلکہ ہمارے اسلاف اور مشاہیر ارباب علم وفضل نے

اَلَیْسَ اللّٰهُ بِکَافٍ عَبْدَهٗ — کیا اپنے بندہ کے لئے اللہ کافی نہیں

کے قرآنی سوال کے جواب میں

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْل نِعْمَ الْمَوْلٰی وَ نِعْمَ النَّصِیْر — ہمارے لئے اللہ بس ہے بڑا اچھا وکیل (پشت پناہ) کتنا اچھا آقا اور کیسا اچھا یار (فرما)

کی مضبوط چٹان سے زندگی کے جہاز کو باندھ دیا تھا۔ مگر تاریخ گواہ ہے "الانساب" کے ۱۲۰۶ (بارہ سو چھ صفحات) پڑھ جائیے۔ اس کے علاوہ کتابیں اٹھا اٹھا کر ایک ایک مؤرخ سے دریافت کرتے چلے جائیے سب کے ہاں ایک جواب اور اجماعی جواب ملے گا۔ کہ ان کو انہیں

زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا — جھنجھوڑ دئے گئے اچھی طرح جھنجھوڑنا

کہ مقام پر رکھا اور پرکھا گیا۔ وہ جب تک اس مقام پر رہے فقر وفاقہ اور بعض اوقات بھوک کی شدت سے گر گر کر بھی تسلیم ورضا کی راہ چلتے رہے اور ان کے چہروں پر کفرانِ نعمت اور ناشکری کے بل تک کو باریابی حاصل نہ ہو سکی۔

چند ہی دنوں بعد اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر اپنے فضل وکرم کے دھارے کھول دئے۔ انعامات اور ربّانی تجلیات وَیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ کی صورت میں جلوہ گر ہوتے رہے۔

مگر آج کس کس پہلو پر رونا رویا جائے۔ کس کس سوراخ کو بند کیا جائے۔ اور کس کس زخم پر پنبہ رکھا جائے علم کے زوال اور امت کے ادبار وتنزل کے لئے کیا یہ کوئی کم واقعہ ہے۔ کہ طلبہ کو "رزق حلال" "پیشہ ورانہ تربیت" دستکاری اور اپنے ہاتھوں سے حلال کی کمائی کے بجائے ابتدائے روز سے انجمن سازی، تنظیم سازی، سیاست گری، صحافت، تہذیب اور خدا جانے کن کن ناموں کا پردہ ڈال کر کیسے کیسے لایعنی مشاغل اور تنعّمات کا عادی بنایا جا رہا ہے۔ جن چیزوں کو ہمارے اسلاف نے غیر ضروری سمجھا مگر اب ان ہی چیزوں کو زندگی کی اوّلین ضرورت قرار دیا جا رہا ہے۔

ان کی زندگی صاف ستھری، دھلی دھلائی، اجلی محنت ومشقت اور اپنے ہاتھوں سے رزقِ حلال کی کمائی والی سرد وگرم چشیدہ زندگی تھی۔ ایسی زندگی اپنے اندر جو پختگی رکھتی ہے